مولانا آزاد سبحانی

نام : عبدالقادر قلمی نام : آزاد سبحانی

مقام و تاریخ پیدائش : سکندر پور ضلع بلیا (یو.پی) ۱۸۸۲ء

قیام : کانپور (یو-پی) وفات : ۲۴ر جون ۱۹۵۷ء

لکھنؤ میں - گورکھپور میں دفن ہوئے۔

تعلیم : اپنے زمانے کے جید علما سے حاصل کی اور کچھ دن فرنگی محل لکھنؤ میں بھی پڑھا

مشاغل : ۱۹۰۸ء میں جامعہ الہٰیات کانپور قائم کیا۔ ۱۹۱۳ء میں مسجد مچھلی بازار کے واقعہ میں ممتاز رہنما۔ تحریک خلافت، ترک موالات، مسلم لیگ میں شامل رہ کر سرگرم حصّہ لیا اور وفات سے کچھ پہلے روس کا سفر بھی کیا۔

انسان کی ذہنی بالیدگی کا اظہار اس کے عمل سے ہوتا ہے جتنی بلندی عمل کو نصیب ہوگی اسی قدر مقصد زندگی کے قریب ہوگا۔ مولانا آزاد سبحانی کی ذات اس کا مثالی نمونہ تھی، وہ شعلہ بیان خطیب، منقولات اور معقولات کے استاد کامل اور جامعہ الہیات کانپور کے پہلے شیخ الجامعہ تھے۔ ان کی خدمات جلیلۂ دین کے بیشمار شواہد آفتاب جہاں تاب کی طرح درخشاں ہیں۔ میں نے ان کو ایک جلسۂ عام میں دیکھا جو غیر ملکی مال کے بائیکاٹ کے سلسلہ میں چمن گنج کانپور کے ایک میدان میں ہوا تھا اور ان کی پُرجوش تقریر کے بعد حاضرین جلسہ نے اپنے تمام بدیسی کپڑے اور ترکی ٹوپیاں جمع کر کے نذر آتش کر دی تھیں، ان کی تقریر بڑی خیال انگیز اور حقائق سے پُر ہوتی تھی خشک سے خشک مضمون پر بھی وہ دھواں دھار تقریر کر دیتے تھے، ان کو تاریخ تمدن اور اسلامیات اور فلسفۂ سیاست پر مکمل عبور تھا۔

۱۹۴۵ء میں ایک روز جامعہ الٰہیات میں اپنے رفیق عزیز مولانا اسحاق علمی (جو آجکل "سیاست جدید" کانپور کے مدیر اعلا ہیں) کے ساتھ مولانا سے ملنے گیا۔ علمی صاحب نے میرا تعارف اپنے ایک رفیق کی حیثیت سے کرایا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخصیت گندمی رنگ، چوڑا چہرہ، گٹھا ہوا جسم، درمیانی قد اور بڑی آنکھوں کے ساتھ سامنے ہے۔ جب وہ بولے تو معلوم ہوا کہ ان کی آواز گرج دار ہے، خوش مزاج ہیں اور منطق و فلسفہ کی گہرائیوں میں غرق، —— حضرت علامہ اس وقت طلبا کو درس دے رہے تھے اور موضوع تھا کہ "سائنس اور مذہب میں کوئی تضاد نہیں ہے"۔ مولانا سمجھا رہے تھے کہ اگر مذہب اور سائنس میں تضاد ہوتا تو قرون اولیٰ کے لوگ علم و فن کی ترغیب اور اس میں انہماک کی تاکید کیوں کرتے، یہ اسلام کی تعلیم کا اثر تھا کہ مسلمانوں نے جملہ علوم و فنون میں ترقی کی، چنانچہ امام غزالی رح احیائے علوم الدین میں فرماتے ہیں :-

اب اگر یہ پوچھا جائے کہ جب عقل کا یہ حال ہے (یعنی بموجب حدیث شریف عقل عرش سے بزرگ تر ہے) تو صوفیا عقل اور معقول کو بُرا کیوں کہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے عقل اور معقول کو ان کے اصلی معنی میں چھوڑ کر مناظرے اور مجادلے کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس لئے صوفیا نے اس کی مذمت کی ہے۔ ورنہ نور بصیرت جس کے ذریعے اللہ تعالےٰ کو پہچانا جاتا ہے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کی جاتی ہے بھلا اس کی مذمت کیسے متصور ہو سکتی ہے اس کی تعریف تو خود اللہ تعالےٰ نے فرمائی ہے اور اگر اس کی مذمت کی جائے تو پھر تعریف کس چیز کی ہوگی کیوں کہ اگر شرع قابل تعریف ہے تو اس کی درستی کا علم کس چیز سے حاصل ہوتا ہے؟ اگر یہ علم ایسی بُری شے یعنی عقل سے ہے جس کا اعتبار نہیں تو پھر شریعت بھی بُری ٹھہرتی ہے اور اگر کوئی کہے کہ شریعت کی صحت کا علم عین الیقین اور نور ایمان سے حاصل ہوتا ہے تو اس قول پر دھیان نہ دینا چاہئے، اس لئے کہ ہماری مراد جو کچھ عقل سے ہے وہ صفت باطنی ہے کہ جس سے آدمی حیوانوں سے

ممتاز ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ اسی کے ذریعے امور کے حقائق کا ادراک کرتا ہے۔
میں نے یہ عالمانہ ارشادات نوٹ کر لئے تھے گھر آکر ان کو صاف کیا اور ایک ہفتہ بعد مولانا کو جا کر دکھائے۔ خوش ہوئے اور بڑی حد تک تحریر درست ہونے پر شاباش دی۔ میری ہمت بڑھی اور میں نے ڈرتے ڈرتے مولانا سے دریافت کیا کہ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن کے کیا معنی ہیں، مولانا سُن کر مُسکرائے اور کچھ دیر توقف کے بعد یوں گویا ہوئے :۔

"حدیث شریف میں ہے لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ یعنی نماز بلاحضور قلب کے ادا نہیں ہوتی۔ حضور قلب سے حقیقت قلبیہ میں الوہیت وعبودیت کا جمع ہونا مراد ہے مثلاً بندہ نماز میں الحمد پڑھتا ہے اور وہ کلام الٰہی ہے حالانکہ نماز میں صاحب کلام بندہ ہوتا ہے نہ کہ حق۔ اور ایاک نعبد میں روئے خطاب بندہ کا حق کی جانب ہوتا ہے نہ کہ حق کا بندے کی طرف اور باوجود اس کے وہ کلام الٰہی ہے پس اس کا کلام حق کا کلام ہے۔ اور حق کا کلام اس کا کلام ہے اور اسی طرح سے معبود جو عبد کے ذہن میں متصور ہوتا ہے۔ من جملہ تصوراتِ عبد کے ایک جزو ہوتا ہے جن کا خالق عبد ہے اور عبد خود بہ حیثیت ظہور کے ایک حقیقت ممکنہ ہے جو اعیان ثابتہ عملیہ حق کا ایک جز ہے جس کا خالق حق ہے اور ہر حرکت اور ہر سکون اس کا بہ ارادۂ الٰہی ہے لہٰذا عبد عین معبود ہے اور معبود عین عبد۔ اس محل حیرت میں ایک عجیب راز پوشیدہ ہے جو اپنی شدت اجمال کی وجہ سے بے مقام ہو کر لامکانی میں بسیط ہوگیا ہے اور اتنے اشارے سے زیادہ بیان میں نہیں آسکتا۔ اور اس کا حصول الجھن وجوش قلب و نامرادی پر موقوف ہے جس قدر یہ باتیں زیادہ ہوں گی اسی قدر سالک اس میں در آئے گا۔ اور سرور زیادہ ہوگا۔ جیسے برف کے کارخانے میں جب تک انجن خوب گرم وشعلہ انگیز نہ ہو برف کی تیاری ناممکن ہے اور یہی نماز بے خطرہ کہلاتی ہے۔ کیونکہ خطرات جس قدر ہوتے ہیں وہ سب جوش قلب اور نامرادی میں فنا ہوجاتے ہیں اور

وجود سرور محض رہ جاتا ہے۔ یہی معنی حدیث ۔ اَلصَّلوٰۃُ مِعراجُ الْمُؤمِنِیْن کے ہیں۔ یعنی نماز وہی ہے جس میں مومن کو معراج ہو۔

یہ چند فرمودات سبحانی محض تعارف کے لئے میں نے نقل کر دیے ہیں ورنہ مولانا آزاد سبحانی کی گفتگو فلسفیانہ نکات کا بحر ذخار تھی اور مبتدی قسم کے تعلیم یافتہ آدمی کی سمجھ سے باہر تھی۔ مولانا اپنی نوعیت کی ایک بے مثال شخصیت تھے۔ ان کا ظاہری سراپا مکمل پوشش کا حامل نہیں تھا۔ وہ اکثر احرام پوش رہتے تھے۔ ایک چادر باندھ لی اور ایک اوڑھ لی۔ سر ہمیشہ ننگا۔ پیروں میں لکڑی کی کھڑاؤں یا معمولی چپل ایک بدہیئت سا تھیلا ہاتھ میں جس میں کچھ اخبار، کچھ رسالے کچھ کتابیں اور ٹوٹی ہوئی پنسلیں اور بس، ان کے علم کا یہ حال کہ جدید تمام نظریات سیاست وسماج سے مکمل واقف، وہ "الفیلسوف الہندی" ہونے کے اس دعوے کے ساتھ مدعی تھے کہ دنیا کا کوئی فلسفی اور کسی مذہبی منطق کا کوئی بھی عالم کسی موضوع پر ان سے مقابلہ کرلے، اور ایسا ہی ہوا، وہ اپنے اس دعوے کے ساتھ ممالک عرب، یورپ اور امریکہ تک کچھ عجب شان فقیرانہ سے چکر لگا آئے، اور چونکہ عربی اور فارسی کے منتہی اور انگریزی میں جو انھوں نے جیلوں میں رہ کر پڑھ لی تھی خاص قابلیت کے مالک تھے، اس لئے اس زمانے کے ہر زندہ فلسفی سے ملاقات اور اس سے الٰہیات کے نازک موضوعات پر مناظرے اور مباحثے کئے، جامعہ الازھر قاہرہ بھی گئے اور نامور علماء سے بحث ومباحثہ کیا، مولانا جب عالم گیر دورہ سے واپس آئے تو وہ بہت شاداں تھے، وہ سب کو شکست دے کر آئے تھے اور جو شکوک اپنے ساتھ لائے ان پر کئی دن تک مسلسل اپنے سب سے قریبی ساتھی اور رفیق مولانا غلام یحییٰ صاحب سے جو ان کے بعد جامعہ الٰہیات کانپور کے شیخ تھے پوری وضاحت سے بحث کرتے رہے، افسوس کہ ان دونوں نے مل کر فلسفے اور الٰہیات کے جو درِ بے بہا جمع کئے وہ ایک قیمتی خزانے کی طرح زیر زمین مدفون

مولانا مذہبیت کے باوجود اشتراکیت سے بھی متاثر تھے اور انتقال سے قبل سیاحت روس بھی کر آئے تھے۔ سیاسی رنگ میں دو رسالے "آزادی مالابار اور موپلا" لکھے تھے اور روحانیت و مذہب پر بھی دو کتابیں تحریر کی تھیں جو اب معدوم ہیں۔

مسلم لیگ کی تحریک نے زور پکڑا تو کلکتہ کے آزاد میدان کی نماز عیدین کی امامت اور خطابت سے مولانا ابوالکلام آزاد کو ہٹانے پر توجّہ ہوئی۔ لیکن سوال یہ تھا کہ کون یہ جگہ پُر کر سکے گا۔ کافی تلاش و جستجو کے بعد مولانا آزاد سبحانی سے رجوع کرنے کا فیصلہ ہوا۔ چنانچہ ایک وفد نے لکھنؤ آکر اُن سے درخواست کی اور بڑی منت و سماجت کے بعد انھیں راضی کر لیا گیا۔ مولانا کلکتہ گئے اور نماز عیدالفطر کے موقع پر ایک معرکتہ الآرا خطبہ دیا۔ لیکن اس میں معترضین اور منتظمین کے خلاف توقع مسلم لیگ کی کوئی حمایت اس لئے نہیں کی کہ وہ خطبہ نماز کو مختلف سیاسی مسلکوں کے مسلمانوں میں وجہ تفریق بنانے پر آمادہ نہیں تھے، اس کے بعد جب عیدالاضحیٰ میں امامت کا سوال اُٹھا تو انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں کسی کا نعم البدل نہیں ہوں۔

مولانا سبحانی مسجد مچھلی بازار کانپور کے سانحے کے ہیرو تھے انھوں نے ۱۳ اگست ۱۹۱۳ء کو سب سے پہلے مسلمانوں کے جلسہ عام میں ایسی سحر آفریں تقریر کی کہ جلسہ سے اُٹھ کر مسلمانوں نے مسجد مچھلی بازار کے لئے جان کی بازی لگا دی، وہ ان اوّلین مُسلم رہ نماؤں میں تھے جنھوں نے مسجد میں مسلمانوں کی شہادت کو برصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور نشاۃ ثانیہ کا سبب بنا دیا۔

مولانا آزاد سبحانی جس قدر بہتر مقرر یا خطیب تھے اس سے زائد دلچسپ اور دل پذیر گفتگو کے ماہر بھی، چنانچہ بارہا دیکھا گیا ہے کہ علماء اور فضلا کی بڑی سی بڑی محفل میں تمام لوگ اسی کے خواہش مند رہتے کہ بس مولانا بولتے رہیں اور وہ خاموشی سے سنتے رہیں، لیکن اپنی خداداد صلاحیت کے باوجود وہ ایک سچے

طالب علم بھی تھے چنانچہ مولانا عبیداللہ سندھی نے جامعہ ملیہ دہلی میں قیام کیا اور اپنا دارالحکمت قائم کیا، تو مولانا آزاد سبحانی بار بار وہاں جاکر مولانا سندھی کے درس تفسیر قرآن میں کئی کئی روز شریک ہوتے، اور نہایت خاموشی سے استفادہ کرتے دیکھے گئے۔ یہ تھا وہ " فیلسوف ہندی" جو مباحثہ اور مناظرہ کے لئے ایک طرف تو عالم اسلام میں اپنا چیلنج لیا پھرا مگر جب اسے کسی دوسرے کے تفکر بالقرآن سے استفادہ کا موقع ملا تو وہ صرف ایک طالب علم بننے پر تیار نظر آیا ــــ علامہ سبحانی گاندھی جی کے ساتھ بھی کچھ عرصے رہے مگر بعد میں فلسفۂ عدم تشدد کو بے جان سمجھ کر چھوڑ دیا اور انسانیت کی نجات کے لئے تحریک خلافت ربانی کی بنیاد رکھی، جو سوشلزم کی تعلیمات کو کلمہ پڑھا کر پیش کرنے کا نام تھا، دوسرے لفظوں میں وہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے مسلک کی اشاعت کر رہے تھے، مولانا اپنے خیالوں میں گم ہوجانے والی کچھ ایسی آفاقی شخصیت تھے جن کو یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ وہ کھانا کھا چکے ہیں یا نہیں، سو چکے ہیں یا ابھی سونا باقی ہے۔

مولانا آزاد سبحانی اپنی نوعیت کے یکہ و تنہا فرد تھے، مولانا حسرت موہانی اور وہ باہم بے حد گہرے دوست تھے اور ان کا شمار عجائبات روزگار میں ہوتا تھا اور وہ اس شعر کے مصداق تھے :۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن